عشقی اور جالب کے شعری اشتراکات

امجد علی بُھٹّہ
پی ایچ۔ڈی اسکالر،ادارہ زبان وادبیات اُردو،اورینٹل کالج،پنجاب یونیورسٹی لاہور
محمد علی
بی ایس متعلم،انگلش لٹریچر،یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی،لاہور

Abstract:

There are many resemblances between Persian and Urdu literatue. This is a fact that Persian did a major role to build Urdu language and literature. Urdu writers and poets accepted the effects of Persian writers. Urdu poet Habib Jalib was very resembling to Persian poet Ishqi regarding his thinking and style. Ishqi is a famous and trend setter Persian poet. His life is a model of protest that influenced later Iranian poets as well as the Iranian people. Jalib is a Pakistani Urdu poet whose identity is his resistive style of poetry. Since the relationship between Persian and Urdu language is very deep and many genres have been transferred from Persian to Urdu, therefore, despite the abundance of themes, there are similarities between the works of Persian and Urdu poets. Ishqi and Habib Jalib are prominent poepts of this region. They are considered a milestone of resistance poetry. In this article their poetic similarities have been analyzed.

Key Words: Ishqi, Jalib, Poetry, Resistance, Resemblance, Style, Themes, Milestone, effects.

کلیدی الفاظ: عشقی،حبیب جالب،شاعری،اشتراکات،مزاحمت،اسلوب،رجحانات،خیالات،سنگِ میل،اثرات۔

فارسی اور اُردو زبان کا رشتہ دیرینہ بھی ہے اور گہرا بھی۔یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اُردو زبان کی تشکیل و تعمیر میں ہی فارسی کی حیثیت اساسی نہیں بل کہ اصنافِ ادب کی ترویج میں بھی اُردو نے فارسی سے استفادہ کیا ہے۔اُردو میں گزشتہ تین صدیوں سے جو نثری و شعری اصناف رائج ہیں اُن میں اکثریت کا تعلق اُردو سے پہلے فارسی سے ہے۔مثلاً مثنوی،مُسمّط کی اقسام مثلث،مربع،مخمس،مسدس اور پھر ترکیبِ بند اور ترجیع بند وغیرہ کے پہلو بہ پہلو قطعہ،رباعی،قصیدہ،مرثیہ،شہر آشوب،واسوخت،غزل اور دیگر کتنی ہی اصناف ایسی ہیں،جن کی ہیئتوں کو اُردو تخلیق کاروں نے فارسی سے مستعار لیا ہے۔اگرچہ ابتدا میں ان کے مضامین اور اَسالیب بھی فارسی سے ہی اُردو میں وارد ہوئے لیکن بعد از آں اِن میں اختراع اور تنوع کی نئی جہتیں متعارف ہوئیں۔اگر دونوں زبانوں کے ادیبوں

اور شاعروں کی تخلیقات کا مطالعہ کیا جائے تو اِن میں امتیازات سے زیادہ اشتراکات کے پہلو دکھائی دیتے ہیں۔فارسی اور اُردو شاعروں کے موضوعاتی اور اسلوبیاتی ورجحانات پر تحقیقی مقالے اور مضامین لکھنے کا عمل ایک عرصہ سے جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ایسی ہی مشترک مثالوں میں ایک مثال فارسی شاعر عشقیؔ اور اُردو شاعر حبیب جالبؔ کے فکری رجحانات میں اشتراکات کی ہے۔

اگر ان اشتراکات کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں شاعروں میں تقرُّب کی درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں۔
اوّلاً مرزا رضا عشقی اور حبیب جالبؔ کا وصفِ مشترک یہ ہے کہ دونوں مزاحمتی لہجے کے شاعر ہیں۔ عشقی کا عہد اور اُس کا ماضی قریب ایران کا انتہائی پُر آشوب دور تھا۔ایران میں قاچاری استبداد،یورپی اقوام کا نفوذ و بے جا مداخلت اور تحریک مشروطیت جیسے اہم ترین واقعات جنم لے رہے تھے۔ قاچاری دور ہیجان،اضطراب اور مغربی سامراج کی لوٹ کھسوٹ کا دور تھا۔بادشاہوں کو ذاتی مفادات ملکی مفادات سے زیادہ عزیز تھے۔انہوں نے غیروں بل کہ ایران مخالفین سے مراسم بڑھانے کی انتہا کر دی۔یہاں تک کہ ذاتی مفاد کے لیے ملکی وسائل اغیار کی جھولی میں ڈال دیے۔چناں چہ ان من مانیوں کے خلاف عوامی سطح پر شدید ردِ عمل پیدا ہوا۔مشروطیت کے نام سے زبردست تحریک اُٹھی،جس میں علما اور شعرا پیش پیش تھے،جس کے باعث اُنھیں بہت سی مصیبتوں اور آلام کا سامنا کرنا پڑا۔اس حوالے سے مسعود(۱)لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں کئی شعرا قید ہوئے،جلاوطن ہوئے اور مارے گئے۔ بالآخر عوامی دباؤ کے سامنے شاہی رعونت پسپا ہو کر رہی اور ایران کا دستور اساسی مدوّن ہوا اور مجلس شورائے ملی وجود میں آئی۔"

اس تحریک کے بعد ایران میں بیسویں صدی کا اسلامی انقلاب کافی اہمیت کا حامل ہے۔اس انقلاب سے قبل ایرانی سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ آسمان پر بدنصیبی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ایران پہلی جنگِ عظیم میں اکھاڑا بن کر رہ گیا تھا۔روسی،ترکی اور برطانوی افواج نے ایران میں ڈیرے ڈال رکھے تھے۔برطانیہ کی نیت تھی کہ پورے ایران پر قبضہ کیا جائے۔اس کے لیے اُنہیں وقت کا مبینہ خائن وزیر اعظم وثوق الدولہ مل گیا۔کرنل رضا خان نے وثوق الدولہ کا تخت اُلٹ دیا۔بعد ازاں یہی کرنل رضا خان،رضا شاہ پہلوی بن گیا اور ایرانی عوام کے لیے بدترین آمر ثابت ہا۔اِن تمام حالات کو دیکھ کر عشقیؔ کی طبیعت آتش بار ہو چکی تھی۔وہ اپنے خیالات کے اظہار میں حد درجہ جرأت مند اور بے باک تھے۔اُنھوں نے سیاسی لیڈروں،وزیروں اور مشیروں پر کھل کر اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔ عشقیؔ کے اس مزاحمتی انداز کے بارے میں احمد(۲)رقم طراز ہیں:

"وہ وطن دشمنوں کے خلاف بڑی بے باکی سے تنقید و تعریض کرتے تھے۔۱۹۱۹ء میں جب وثوق الدولہ وزیرِاعظم کی وساطت سے انگریزاور ایرانی حکومت کے درمیان ایسا معاہدہ ہوا۔ جس میں انگریزوں نے مالی امداد بھیجنے کا ذمہ لیا تھا تو عشقیؔ نے نظماً نثراً اس کی پُرجوش مخالفت کی۔"

روزنامہ "قرنِ بیستم" میں عشقیؔ انسانیت اور عوام دشمن عناصر کو تنقید کا نشانہ بناتا رہا۔ عشقیؔ ایک وزیر پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے:

چون نسبتِ وزیر بخر ظلم بَرخراست
انصاف نیست کاستن از احترامِ خَر

(اس کو گدھے سے نسبت دینا گدھے پر ظلم ہے۔ گدھے کے احترام میں یہ کمی بڑی زیادتی کی بات ہے۔)

اِسی طرح حبیب جالبؔ کی شاعری میں بھی مزاحمتی انداز نمایاں ہے۔اس عوامی شاعر کے سامنے ہر آنے والے صاحبِ اقتدار نے بلینک چیک(Blank Cheque)تک رکھا، مگر انھوں نے ہمیشہ ایسی رشوت کو ٹھکرا دیا۔وہ کسی بھی طرح آمریت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ زمان(۳)لکھتے ہیں:

"حبیب جالبؔ بے باک اور مزاحمتی لہجہ رکھنے والے شاعر تھے۔اُن کے لفظوں میں ایسی قوت تھی کہ آمریت مسخ ہونے لگتی تھی۔"

جالبؔ معاشرے میں شاعر کے نہ صرف انقلابی و مزاحمتی کردار کو ضروری سمجھتے ہیں، بل کہ وہ اس بات کے بھی داعی ہیں کہ شاعر معاشرے کی تعمیر، تشکیل اور تخلیق کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جالب اپنے اس مؤقف کو شعری لبادے میں یوں بیان کرتے ہیں:

مٹا کر اندھیروں کا نام و نشاں
اُجالوں کی بستی بسائیں گے ہم

بالعموم یہ رویہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اکثر افراد اپنے فیصلے کرتے ہوئے نتائج سے بے خبر ہوتے ہیں۔ لیکن جالب اپنی اس مزاحمتی روش کے نتائج سے بھی بہ خوبی واقف تھے۔ پرویز(۴) جالب کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آج کل لوگ دھڑا دھڑ ہماری پارٹی میں شامل ہو رہے ہیں۔ مگر میں آنے والوں کو یاد دلانا چاہوں گا کہ نیشنل عوامی پارٹی(NAP) پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا بستر ہے۔ جیلیں ہماری تربیت گاہیں اور پھانسیاں ہماری حیات ہیں۔"

ثانیاً عشقیؔ و جالبؔ کے درمیان انسلاک کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ دونوں اپنی شاعری میں محض آمریت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ احتجاجی رویہ اختیار کرتے ہیں۔ کرنل رضاخان جب ملک کو بچانے کی تدبیر کے حیلے بہانے کے ساتھ، دس ہزار فوج کے ساتھ ایران پر جھپٹا اور تمام سرکاری دفاتر اپنے کنٹرول میں لینے کے بعد بہ ظاہر جمہوریت پسند ہونے کا بہانہ کر کے آمریت کا بول بالا کرنے لگا تو عشقی نے اُس کی عائد کردہ ناروا پابندیوں کے خلاف دل کھول کر لکھا۔ عشقیؔ نے ایک کارٹون کے نیچے کیا لکھا، مسعود(۱) کی زبانی سنیے:

"آقائے جنبول(John Bull) بر سرِ جمہوری سوار شدہ، شہرۂ ملت مکیدہ، بر سر ش شہرہ می مالد۔ یعنی ایک شخص (اس سے رضا شاہ مراد تھا) جمہوریت کے نام پر عوام کو بے وقوف بنا رہا تھا۔"

عشقیؔ نے "جمہوری سوار"(Democratic Rider) کے عنوان سے ایک طنزیہ نظم بھی لکھی۔ رضا شاہ نے اس گستاخی کا سختی سے نوٹس لیا۔ مگر عشقی اپنے مؤقف سے ذرا پیچھے نہ ہٹا۔ مسعود(۱) کے مطابق عشقی نے اس نوٹس کے جواب میں یہ شعر کہے:

جای است آرزوی من، از من به آن رسم
از روی نعش لشکر دشمن گزر کنیم
هر آنچه میکنی بکن ای دشمن قوی
من نیز اگر قوی شدم از تو بتر کنم

(میری یہ خواہش ہے کہ میں دشمن فوج کی لاشوں کے اوپر سے گزروں۔ اے طاقت ور دشمن تیرے بس میں جو کچھ ہے کر لے، کل کو میں طاقت ور ہو گیا تو تیرے ساتھ اس سے بھی بُرا سلوک کروں گا۔) کچھ ایسے ہی حالات جالبؔ کے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خان نے ملک میں پہلا مارشل لا لگایا تو ملکی حالات جو پہلے ہی خراب تھے مزید دگرگوں ہو گئے۔ جالبؔ وقت کی سب سے بڑی بائیں بازو کی پارٹی نیشنل عوامی پارٹی میں شامل ہو چکے تھے۔ ملک بھر میں زبان بندی لاگو تھی۔ کوئی بول سکتا تھا نہ لکھ سکتا تھا۔ فیلڈ مارشل جنرل ایوب خاں نے اپنے وزیرِ قانون میاں منظور قادر سے "دستور" لکھوایا، جو ۱۹۶۲ء کا دستور کہلایا۔ اس دستور میں عوامی خواہشات کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک خاص طبقے کے مفادات کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا۔ اس کے باوجود اس خود ساختہ دستور کے خلاف سیاسی اور فکری حلقوں میں ہنوز سناٹا تھا کہ ایک آواز اس سناٹے کو چیرتی ہوئی بلند ہوئی۔ یہ آواز حبیب جالب کی تھی۔ جالب(۷) نے کہا:

ایسے دستور کو، صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں جانتا

اُس عہد کے حالات کو پرویز(۳) کے بقول ان لفظوں میں بیان کیا:

"یہ مارشل لا کا خوف ناک زمانہ تھا۔اس وقت میں نے اپنی مشہور نظم کہی تھی "دستور"۔اسے پڑھنے کا معاملہ تھا کہ اس کو پڑھا کہاں جائے؟اتفاق سے ایک مشاعرہ ہو گیا۔"

نظم "دستور" کے بعد جالب نے "جمہوریت" اور "بیس گھرانے" کے عنوانات سے بھی نظمیں لکھیں اور آمریت کو خوب ہدفِ تنقید بنایا۔یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اُس دور میں ایک طرف تو ایران رضا شاہ پہلوی کے زیرِ تسلط تھا اور دوسری جانب پاکستان پر جنرل ایوب خان کا آمرانہ راج عروج پر تھا۔خان(۸) لکھتے ہیں:

"جنرل ایوب کا قہرمان دور جاری وساری تھا۔اپوزیشن نام نہاد شکست کے بعد بکھری بکھری سی تھی۔حالات یوں ہی چل رہے تھے۔ایوبی آمریت کے خلاف اتحاد بن رہے تھے کہ ایسے میں ایک بڑا واقعہ رونما ہوا۔ایران کا شہنشاہ رضا شاہ پہلوی پاکستان کے دورے پر آیا۔"

یہ بات اس حقیقت پر دال ہے کہ پاکستان اور ایران پر ایک جیسے ذہن قابض تھے،دونوں کے آمرانہ طرزِ عمل میں بھی کچھ زیادہ فرق نہ تھا اور دونوں ممالک کے عوام کا کرب بھی قریب قریب ایک جیسا تھا۔آمریت کے دوسرے یعنی جنرل یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے ابتدائی دور میں بھی آمریتی خُو جاری رہی تو جالبؔ نے بھی اپنی وضع نہ بدلی اور یوں گویا ہوئے:

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشیں تھا
اُس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی یقیں تھا

اِسی طرح آمریت کے تیسرے یعنی جنرل ضیاء کے دور میں بھی ظلم کے خلاف جالبؔ کے خامہ سے وہی آواز بلند ہوئی۔یہ حق گوئی اُس کی سرشت میں شامل تھی۔جالب(۵) نے کہا۔

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
پتھر کو گہر، دیوار کو در، کرگس کو ہما کیا لکھنا
اِک حشر بپا ہے گھر گھر میں، دم گھٹتا گنبدِ بے در میں
اِک شخص کے ہاتھوں مدت سے رُسوا ہے وطن دُنیا بھر میں

اے دیدہ ورو اس ذلت کو قسمت کا لکھا کیا لکھنا

اہلِ پاکستان یہ جان گئے تھے کہ آمریت سے نبرد آزما جالب حق گوئی و بے باکی سے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ پاکستانی سماج جانتا ہے کہ حبیب جالب نے کیسے استحصالی قوتوں کا سامنا کیا۔ سعید(۶) کا مؤقف ہے:

"حبیب جالب جمہوریت کے لیے لڑا اور اس نے جنرل ایوب خان، جنرل یحییٰ خان اور جنرل ضیاء الحق کے دور میں بہت مشکل وقت دیکھا۔ وہ بھی مارشل لاء کے خلاف تھا۔ ع۔ ظلمت کو ضیا صرصر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا، اس نے مشرقی پاکستان، جو اس وقت ہمارے پیارے ملک کا ایک بڑا حصہ تھا، میں فوجی کاروائی کے خلاف کھل کر اور جرأت کے ساتھ لکھا۔"

ثالثاً دونوں شعرا یعنی عشقی اور جالب میں ایک اشتراک یہ بھی ہے کہ دونوں سخن وروں نے آمریت کے خلاف محض قولی نہیں، عملی جدوجہد بھی کی۔ عشقی نے تو آغاز میں ہی اپنی عملی جِدوجُہد کی طرف اِن الفاظ میں اشارہ کر دیا تھا:

من آن نیم بہ مرگ طبعی شوم ہلاک
وین کاسۂ خون بہ بسترِ راحت بدر کنم

(میں وہ نہیں جو طبعی موت مر جاؤں اور اپنا یہ کاسہ بھر لہو بسترِ راحت پر ضائع کر دوں۔)

دوسری جانب جالب کی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو سراپا تحرک نظر آتے ہیں۔ کئی مخالف قوتوں نے اِن حوصلوں کو پست کرنا چاہا، لیکن وہ کامل یک سوئی سے اپنے مشن پر گام زَن رہتے ہوئے شعری کاوشوں کے ساتھ ساتھ میدانِ عمل میں بھی سرگرم رہے۔ محمود(۷) جالب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جدوجہد خواہ جمہوریت کی ہو یا صنعتی کارکنوں کی، عورتوں کے حقوق کی بات ہو یا صوبائی خودمختاری کی یا شہری آزادیوں کی بحالی کی، وہ ہمیشہ سب سے آگے ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے موجود ہوتا۔ انتظامیہ ہمیشہ اسے پیشہ ور ایجی ٹیٹر سمجھتی اور عوامی سکون میں ہلچل مچانے پر اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جس کا وہ حق دار تھا۔ اس کی ایک مثال مال روڈ پر عورتوں کے جلوس میں شامل ہونے پر قانون کے محافظوں کے ہاتھوں اس کی بے رحمی سے پٹائی تھی۔"

رابعاً دونوں شاعروں میں مشترکہ وصف ان کا عوامی شاعر ہونا ہے۔ یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ سچا شاعر اپنے عہد کا غماز ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو وہ اپنے عہد کا دُکھ بیان نہیں کر سکتا۔ اُردو میں میر کی شاعری ہو یا سودا

کے شہر آشوب، غالب کے خطوط ہوں یا حالی کی مسدس یا پھر اقبال کی شاعری، اپنے عہد کی عکاس ہے۔ایران کی بدحالی پر عشقیؔ نے عوام کے جذبات کی ترجمانی ان الفاظ میں کی:

آمد شمال و مغرب ایران بہ چنگ روس
ویران نمود سر بہ سر از فرطِ جابری
گشتیم ما مہاجر و بدبخت و دربدر
گردون بما نمود نہایت ستمگری

(ایران کے شمال اور مغرب پر روس نے تسلط جمالیا۔روسیوں نے ایران کو سرتاسر ویران کرڈالا۔ ہماری بدبختی نے ہم کو دربدر کردیا۔آسمان نے ہم پر بڑا ستم ڈھایا ہے۔)

ایرانی عوام نے عشقی کو بہ طور عوامی شاعر قبول کیا اور اُنھیں اپنے جذبات واحساسات کا ترجمان سمجھا، اس وابستگی کو فضلِ حق (۸) یوں بیان کرتے ہیں:

"اِس (عشقی) کی وفات پر اہالیِ ملک نے بہت ماتم کیا۔ایران کے اخباروں اور رسالوں نے ماتمی مقالے اور شعرانے دردناک مرثیے لکھے۔"

اِسی طرح جالبؔ کے شعری مجموعوں برگ آوارہ، سرِ مقتل، عہدِ ستم، ذکر بہتے خون کا، گوشے میں قفس کے، عہدِ سزا، حرفِ حق، اِس شہرِ خرابی میں، جالب نامہ، حرفِ سردار اور کلیاتِ حبیب جالب میں عوام کے جذبات کی نمائندگی نظر آتی ہے۔جالبؔ جابجا عوام کے مسائل کو اُجاگر کرتے ہیں اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں محنت کشوں کے استحصال کو بے نقاب کرتے ہیں۔اِن کی نظم "جمہوریت" میں عوامی احساس کی جھلک دیکھیے:

جب سے کالے باغوں نے
آدمی کو گھیرا ہے
مشعلیں کرو روشن
دور تک اندھیرا ہے
میرے دیس کی دھرتی
پیار کو ترستی ہے
پتھروں کی بارش ہی

اس پہ کیوں برستی ہے؟
ملک کو بچاؤ بھی
ملک کے نگہبانو
دس کروڑ انسانو!

جالبؔ کے عوامی شاعر ہونے کے بارے میں حسن(۹) کہتے ہیں:

"اُردو زبان نے نظیرا کبر آبادی کے بعد اگر سچ مچ کوئی عوامی شاعر پیدا کیا ہے تو وہ حبیب جالب ہے۔ان کے سوچنے اور محسوس کرنے کا انداز عوامی ہے۔۔۔ جو ہزاروں لاکھوں انسان جب جالب سے اتنا پیار کرتے ہیں اور ان کے اشعار سن کر فرطِ جذبات سے بے قابو ہو جاتے ہیں تو اِن کا پیار،ان کی وارفتگی بے سبب نہیں ہے۔"

خاصاً عشقیؔ و جالبؔ میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ دونوں حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ عشقیؔ کا محبوب اُس کا وطن ہے۔اس نے اپنے وطن سے بے پناہ عشق کیا۔اس عشق کو وہ اپنے لیے سرمایۂ زیست سمجھتا ہے۔عشقیؔ کے آب و گل کا تجزیہ کیا جائے تو وطن کا جنون صاف نظر آتا ہے۔ عشقی وطن کی محبت میں کہتا ہے:

معشوقِ عشقیؔ اے وطن، اے مہدِ عشقِ مَن
اے آنکہ ذکرِ عشق تو شام و سحر کنم

(اے میرے وطن،اے میرے عشق کے گہوارے،تو عشقیؔ کا معشوق ہے۔تو وہی تو ہے جس کے عشق کا ذکر میں صبح و شام کرتا ہوں۔)

وطن کی زبوں حالی نے عشقیؔ کی روح پر گہرے زخم لگائے۔وہ شدید جذباتی ہو کر سخن گوئی کرتا ہے۔آشوبِ حالات نے اُسے صادقِ ہدایت سے بڑھ کر قنوطی بنا دیا۔حب الوطنی پر عشقیؔ کی نظم "رستخیز سلاطین ایران" بہت مشہور ہوئی۔یہ نظم ایران میں ہی نہیں،ہندوستان میں بھی بہت مقبول ہوئی۔یہاں کے زر تشتیوں نے اِس تخلیق پر عشقیؔ کو چاندی کے گُلدانوں کا تحفہ بھی بھیجا۔ایک طرف تو یہ نظم ایران کی سطوتِ پارینہ کی یاد دلاتی ہے اور دوسری طرف ایرانی قوم کی موجودہ بدحالی کا نوحہ بھی ہے۔اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

در اروپا آسیارا لقمہ ای پنداشتند
ہر یک اندر خوردنش چنگال ہا برداشتند

از ہمین رُو گلہ گلہ میچریدندے گیاہ
خیز اے مشرق زمینے روز مغرب کن تباہ
دارم امید آنکہ گر شرقی بیابد اقتدار
از پئے آسائشِ خلق اقتدار آید بکار

(یورپی اقوام نے ایشیا کو لقمہ سمجھ رکھا ہے اور اسے کھانے کے لیے ہر ایک نے چھری کانٹے اُٹھار کھے ہیں۔اِس لیے وہ ہر ایک ریوڑ میں شامل ہو کر گھاس چرتے رہتے ہیں۔اے مشرق کی سرزمین! بیدار ہو جا اور مغربیوں کو برباد کر کے رکھ دے۔مجھے اُمید ہے کہ اگر مشرقیوں کو اقتدار مل گیا تو خلقِ خدا کی آسُودگی اور خوش حالی کے لیے استعمال ہو گا۔)

جالبؔ کی وطن سے محبت کی تڑپ دیکھ کر گمان گزرتا ہے کہ شاید عشقیؔ پھر سے جالب کے قالب میں زندہ ہو گئے ہیں۔جالبؔ کسی بھی لمحہ اپنے وطن کے حالات سے بے خبر نہیں رہتا۔وہ ہر لمحہ بدلنے والے حالات پر دُور رَس نگاہ رکھتا ہے۔وطن میں ہر قسم کے ظلم وجبر،استبداد اور ناانصافی کے خلاف لب کشائی کرتا ہے۔بہ قول جالب:

اُٹھتا ہوا چمن سے دھواں دیکھتے چلو
شاخوں پہ رقصِ برقِ تپاں دیکھتے چلو

دوسری جگہ یوں کہتے ہیں:

بجلیوں کی یورش سے شاخ شاخ لرزاں ہے
کیا یہی بہاراں ہے، کیا یہی گلستاں ہے

پرویز(۳) کے مطابق جالب کے جذبہ حب الوطنی پر امجد اسلام امجد نے جالب کو اِن الفاظ میں شعری خراج تحسین پیش کیا:

جس آوارہ دیوانے کو جالب کہتے تھے
ہستی کی اس راہ گزر سے اب وہ جاتا ہے
اے مٹی اے ارضِ وطن، لے اپنی باہیں کھول

تیری جانب لوٹ کے تیرا شاعر آتا ہے

سادِساً عشقیؔ اور جالب میں ایک اشتراک یہ ہے کہ اَربابِ اختیار دونوں کی جان کے درپے رہے۔دونوں کو جبری صعوبتوں اور دشواریوں کا سامنا کرناپڑا۔دونوں کو قیدوبند کی مشکلات سے گزرناپڑا۔اس کے باوجود جب عشقیؔ کے اندازِ فکراور طرزِاظہار میں کوئی تبدیلی نہ آئی تواسے قتل کرادیا گیا۔تاہم ع۔یوں ہی ہمیشہ اُلجھتی رہی ہے ظلم سے خلق کے مصداق دونوں شاعراپنے اپنے وقت کے فراعین سے پنجہ آزماہوئے۔صدیقی(۱۰) عشقی کوآمریت کے خلاف ایک توانا آواز قرار دیتے ہیں۔انھوں نے اقتدار کے خائنین کے بارے میں کہاتھا:

تمام مملکت آن روز زیر و رو گردد
کہ قہر ملت با زور، رو بہ رو گردد
بہ خائنین زمین، آسمان عدو گردد

(پوراملک اس دن کہرام کی زَد میں ہوگا۔جب قوم کاغضب زور کے ساتھ روبہ روہوگا۔زمین وآسمان خیانت کرنے والوں کے دشمن ہوجائیں گے۔

اس شعلہ فشاں کلام کے نتیجے میں یہ ہواکہ فارسی شعراکی تاریخ میں کبھی کسی کواس قدربے دردی سے قتل نہیں کیاگیا،جیسے عشقیؔ کو قتل کیاگیا۔۳۲سالہ مقتول عشقیؔ کے جنازے پرپوراشہراُمڈآیاجوکہ اِس شخص سے لوگوں کی محبت کی دلیل ہے۔ایک فارسی شاعرجہانگیری نےاِن الفاظ میں عشقیؔ کو خراجِ تحسین پیش کیا:

خورشید پُر فروغ و کمال ہنروری
از آسمانِ علم و ادب ناپدید شد
رفت از میانہ نابغۂ شعر و شاعری
یعنی کہ میرزادۂ عشقیؔ شہید شد

(علم وادب کے آسمان سے کمال اور باہنر مہرتاباں غروب ہوگیاہے۔ایک نابغہ شعروشاعری درمیان سے اُٹھ گیاہے۔یعنی کہ میرزادہ عشقی شہید ہوگیاہے۔)

جالبؔ کے ساتھ بھی کئی بار تلخ واقعات پیش آئے۔ ہر آمرِ نے یہ چاہا کہ اِس شمع کو گل کر دیا جائے۔ اس بات کو جالب بھی بہ زبانِ خود یوں کہتے ہیں:

ہر اہلِ جور کی خواہش رہی ہے میں نہ رہوں
مگر میں ہوں کہ مرا شعلۂ نوا نہ بجھا

عشقی چوں کہ مجرّد تھے۔ اس وجہ سے صرف وہی سختیوں اور صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔ لیکن جالبؔ کے ساتھ ان کا خانوادہ بھی اذیت سے گزرتا رہا۔ انہیں عوامی حمایت پر بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اصغر (۱۱) لکھتے ہیں:

" جالبؔ نے شعوری طور پر اپنا ناتا لوگوں سے جوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ گل وبلبل اور صید وصیاد کی شاعری کر کے وہ بے حد محفوظ اور آسان زندگی گزار سکتے ہیں، جس میں وہ اور ان کا کنبہ کم از کم پولیس کے چھاپوں، تنگ دستی و بدحالی، قید و بند کی صعوبتوں اور قدیم مقدمات کے دوران سہنے والے عذابوں سے بچ جاتے۔"

لیکن جالبؔ جس راہ پر چل نکلے تھے۔ اس پر مصمّم ارادے کے ساتھ تمام آلام و مصائب کا سامنا کرتے چلے گئے۔

سابعاً موضوع شعرا کی مشترکہ صفت یہ بھی ہے کہ دونوں شعرا نے قدیم شعری اَسالیب سے بغاوت بَرتی۔ اس ضمن میں مسعود (۱) نے عشقی کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"فارسی ادبیات کے اسلوب کا جامہ بہت پُرانا ہو گیا ہے اور اسے بدلنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمیں چاہیے کہ اس کے لیے ایسا جامہ ہو جو دوسری قوموں کا دست خوردہ نہ ہو۔ بلکہ اپنی طرف سے نیا لباس پہنایئے۔"

اِس فنّی کاوش اور اسلوب تازہ کی بنیاد پر عشقی نے اپنی نظمیں نوروزی نامہ، رستخیز سلاطینِ ایران، ایدآل عشقی اور کفن سیاہ، بہ طور نمونہ لکھیں۔

اِسی طرح اُردو میں جالبؔ کی شاعری جدت کے حوالے سے ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ہمارے ہاں عموماً شعرا مروجہ زمینوں اور اسالیب میں ہی شاعری کرتے ہیں۔ ہیئت تو کیا وہ اسلوب کو نکھارنے یا صَیقل کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ لیکن جالبؔ نے ایک ایک مصرعے کو لحن و غنن اور ترنم سے مسحور کیا، اپنے اشعار کے مطابق موزوں

بحروں کا انتخاب کیااور عام بول چال کواپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ جالبؔ کی شاعری کی مذکور امثلہ اس تناظر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مزاحمتی لہجہ، آمریت سے نفرت، عوامی شاعری، عملی کاوشیں، جذبہ حب الوطنی، اقدامِ قتل وقید اور فنی جدوجُہد جیسے شعری اشتراکات اس بات کے غماز ہیں کہ حبیب جالبؔ اور میرزامحمد رضا عشقیؔ ایک جیسی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ دونوں شعرا انقلابی اور تندو تیز لہجے کے مالک ہیں۔ دونوں شاعروں نے سیاسی اور سماجی بدعنوانیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور عوام کے حقوق کے لیے آواز اُٹھائی۔ علاوہ ازیں دونوں شعرا کی شعری نیرنگی آج بھی فارسی اور اُردو شعرا کے کلام میں نظر آتی ہے۔ عشقیؔ و جالبؔ کے شعری اشتراکات کئی فارسی اور اُردو اَصناف کے قدیم اور عہد بہ عہد تعلق کے استحکام کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور دو بڑی تہذیبوں کے مابین محبت کا دریچہ کھولتے ہیں۔ بلاتشکیک عشقیؔ اور جالبؔ بیسویں صدی کے رجحان ساز شاعر ہیں، جن کی آوازیں فارسی اور اُردو کے شعری ہجوم میں مختلف ہی نہیں، منفرد بھی ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(1) مسعود، انور(۱۹۹۳ء)، فارسی ادب کے چندگوشے، اسلام آباد، عاقب پبلشرز، ص۶۱، ص ۶۴

(2) احمد، ظہورالدین، (۲۰۰۰ء)، نیاایرانی ادب، لاہور، نگارشات پبلشرز، ص۹۲

(3) زمان، فخر، (۲۰۰۹ء)، پیش نامہ، مشمولہ: حبیب جالب -شخصیت اور فن، از: سعید پرویز، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ص۷، ص۹۷، ص۱۲۰، ص۲۳۱

(4) پرویز، سعید، (۱۹۹۴ء)، حبیب جالب - گھرکی گواہی، کراچی، حوری نورانی مکتبہ دانیال، ص۱۸۸

(5) جالب، حبیب، (۲۰۰۷ء)، کلیات حبیب جالب، لاہور، ماورا پبلشرز، ص۱۸۱

(6) سعید، سعادت، (1994ء)، حبیب جالب: ایک عوامی شاعر، مشمولہ: ماہنامہ ماہِ نو، جالب نمبر، لاہور، ص۱۸۳

(7) محمود،خالد،(۲۰۰۹ء)،پاکستان کے مزاحمتی کلچر کی علامت،مشمولہ:حبیب جالب بیسویں صدی کا عوامی شاعر،اسلام آباد،اکادمی ادبیات،ص۲۰۸

(8) فضلِ حق، قاضی،(۲۰۰۷ء)،سخنورانِ ایرانِ نَو،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،ص۲۰۳

(9) حسن،سبط،(۱۹۷۸ء)،حبیب جالب، مشمولہ:حبیب جالب فن اور شخصیت،لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز،ص۹

(10) صدیقی، ظہیر احمد،(۲۰۱۳ء)،دین وادب اور فکروفن ایران میں،لاہور، تخلیقات،ص ۱۹۲

(11) اصغر،طاہر،(۲۰۰۹ء)،جالب بیتی،لاہور،جالب پبلی کیشنز،ص۱۲